جگر ہو جائے گا چھلنی

شبینہ گل

''پلیز بھابی.....'' عفت کا لہجہ التجائیہ سا تھا۔

''ارے بے وقوف، نہیں جھلی، نہیں پاگل اب کیا کہوں اسے جوان تمام ناموں سے بھی گیا گزرا ہو.....''

سمیعہ بھابی نے اپنا سر پیٹ لیا پھر آس پاس کوئی بھاری چیز ڈھونڈنے لگیں جو اپنے اور عفت کے سر پر مار سکیں..... اور عفت، بھابی کی ان حرکتوں کو دیکھ کر مزید پریشان ہو رہی تھی۔

ہائے اللہ یعنی یہ اتنا مشکل کام ہے کہ بھابی نے

اس تکلیف کو سوچ کے ہی خود کو کوٹ ڈالا۔

''بھابی پورا پیٹ.....؟'' عفت مزید ڈر گئی.....اور اس کی سفید پڑتی رنگت دیکھ کے بھابی نے خود پر ذرا قابو کیا اور ہمدردی سے اس کا گھٹنا دبا کر بولیں۔

''چل میرے کمرے میں آ، سمجھاتی ہوں تجھے..... بدھوؤں کی مہارانی۔'' عفت اپنا دھیرے، دھیرے بھاری پن کی جانب گامزن وجود سنبھالتی جیٹھانی کے پیچھے لپکی.....سمیعہ بھابی نے اسے اپنی وسیع و عریض منقش مسہری پر بٹھا کر اپنے کمرے کے دروازے کو اچھی طرح بند کر کے چٹخنی چڑھائی اور پھر عفت کے پاس آ بیٹھیں۔ پھر سوچ سوچ کر لفظ، لفظ گویا تول، تول کر بڑے سبھاؤ سے اسے جب سمجھانا شروع کیا تو۔

''ہا آ آ.....اُف، اوہ، ہائے بھابی ی ی ی.....

کیا؟ نہیں.....'' بند کمرے کے باہر کھڑا کوئی سنتا تو سمجھتا بھابی زوردار مالش کر رہی ہیں۔ عفت کی سفید پڑتی رنگت کو واپس اپنے رنگ میں لانے کے لیے بھابی نے جو انکشاف کیے ان کو سن کر تو عفت کلف لگے لٹھے جیسی ہوگئی۔ سمیعہ بھابی نے گھبرا کر اپنی بڑی بیٹی مینا کو آواز دی۔

''سکنجبین بنا کے لا جلدی بھاگ.....'' وہ آ کر چچی کا چہرہ دیکھ کر سر پٹ واپس دوڑی اور جھٹ پٹ سکنجبین بنا لائی۔

''تیرا صرف سن کر یہ حال ہوگیا تو اس وقت کیا کرے گی جب سارے درد خود پر گزارے گی۔'' بھابی نے اسے ملامت کی۔

''اس وقت اگر واویلا کیا تو اماں نے تو جان نکال دینی ہے تیری۔'' پھر اس کی حالت دیکھ کر بھابی خاموش ہوگئیں۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ عفت گلاس ہاتھ میں تھامے گم صم تھی۔ برف ملے سکنجبین کی ٹھنڈک سے گلاس نم ہو رہا تھا۔ پانی کے قطرے گلاس سے پھسلتے ہوئے عفت کی ہتھیلی کو گیلا کرتے جا رہے تھے اور وہ بھونچکی بیٹھی تھی۔

☆☆☆

یہ ستر (70) کی دہائی کی بات تھی۔ لڑکیاں اتنی بے مہار نہیں ہوئی تھیں۔ بڑے اگر دال سبزی کی بات کرنے بھی ایک جگہ بیٹھتے تو بچوں کو وہاں سے اٹھا دیتے.....اور بچوں کی مجال نہیں تھی کہ تنبیہی نظروں کو دیکھ اور سمجھ کر بھی منہ زبانی تنبیہہ ملنے تک بھی رک جاتے.....سکھی سہیلیوں میں کسی کا بیاہ ہو جاتا تو پھر اسے بھی سہیلیوں میں بیٹھنے سے منع کر دیا جاتا.....وہ بھی خود بخود بڑی بوڑھیوں میں شمار ہو جاتی اور اگر کبھی اپنی کنواری سکھیوں میں بیٹھتی بھی تو ماں یا دادی آتے جاتے اٹھتے، بیٹھتے گھوریاں مارتیں.....مطلب کہ وہ ایک حد میں رہ کر بات کرے.....سو عفت اگر اتنی بدھو تھی تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ بھابی تھوڑے سے کھلے ماحول سے تھیں جہاں کبھی کبھار سہیلیاں کچھ نہ کچھ بات کنواریوں کے کانوں میں انڈیل دیا کرتی تھیں۔ پھر بھی عفت کا بھولا پن انہیں اس لیے زیادہ کھٹکا تھا کہ عفت نے شادی کے بعد بھی عورتوں میں بیٹھ کے ایسی باتوں میں دلچسپی نہ لی تھی اور نہ ہی کسی نے اسے از خود کچھ بتایا۔ کچھ تو اسے گھر کے کام دھندوں سے ہی سر اٹھانے کی فرصت نہ ملتی تھی..... کچھ ساس ایسی ملی تھیں کہ فراغت کا ایک لمحہ بھی فالتو بیٹھنا لڑکیوں کے لیے حرام سمجھا کرتی تھیں۔ وہ خود بے حساب سگھڑ تھیں سو عفت کو بھی ویسا ہی بنانے میں جتی رہتی تھیں۔ یوں اسے کبھی ان باتوں میں پڑنے کا موقع ہی نہ ملا..... یہ تو وہ دور تھا جب دلہنیں شادی کی پہلی رات دولھا کی ذرا سی بے تکلفی سے گھبرا کر جست لگا کے کمرے کے کونے میں یا مسہری کے نیچے گھس جایا کرتی تھیں اور یہ تو پھر عفت تھی۔ اپنے دور کی بدھو شرمیلی لڑکیوں سے بھی بڑھ کے بے وقوف.....شادی کے بعد اللہ نے جلد ہی اپنا کرم کر دیا۔

پاؤں تو بھاری ہوگیا پر عقل ہلکی ہی رہی.....

ساس صاحبہ کم ہی گھر سے نکلتی تھیں.....اور جو نکلتی تھیں تو بھی عفت کو ہزار کام گنوا کرتا کہ وہ چین سے بیٹھ نہ سکے، نہ ہی جیٹھانی کی صحبت میں وقت گزارے۔ اب

جو یہ موقع ملا تھا تو یہ بھی یوں ملا کہ ساس صاحبہ کے بھائی سیڑھیوں سے گر کر ہڈی تڑوا بیٹھے تھے۔ بھتیجا افتاں و خیزاں پیغام لے کر ایسے آیا کہ اماں نے اگلی بات نہ سوچی، برقع اوڑھا اور ساتھ ہی نکل گئیں۔ سو عفت سکھ کا سانس بھرتی اوپر جیٹھانی کے حصے والی منزل میں آ گئی جہاں اس کے حواس جیٹھانی نے اڑا دیے۔

☆☆☆

سلیم اور نعیم دو ہی بھائی تھے۔ سلیم کی بیوی سمیعہ اور عفت، نعیم کی بیوی تھی۔ دونوں بھائیوں کے بیچ ایک اکلوتی لاڈلی ان کی بہن تھی ثمینہ..... خوب صورتی اور بے تحاشا خوب صورتی اس خاندان پر ختم تھی..... اماں، ابا دونوں ہی خوب صورتی میں بے مثال تھے۔ سو اولادیں بھی ان پر ہی پڑیں۔ اماں زیادہ حسن پرست ثابت ہوئیں۔ کالے پیلے لوگوں کو تضحیک کا نشانہ بنایا کرتیں کجا کہ اپنی نسل میں کوئی ایسی کمی بیشی آتی۔ سمیعہ ان کی بھتیجی تھی، سلیم کو پسند تھی صد شکر کہ خوب صورت بھی تھی۔ اماں بخوشی بیاہ لائیں۔ بیٹی ثمینہ بھی شکل صورت میں بے مثال..... نعیم کی شادی سے سال بھر پہلے اس کی شادی کریم صاحب نے اپنے بھتیجے انوار سے کر دی تھی۔ وہ ذرا رنگ میں کچھ دبتے تھے پر مرد کی صورت کون دیکھتا ہے۔ ہاں مسئلہ تب ہوا جب اپنی چچا زاد کی شادی میں نعیم نے عفت کو دیکھا جو نعیم کی چچا زاد روبینہ کی سسرالیوں میں سے تھی۔ عفت خوب صورتی میں یکتا نہیں تھی۔ سانولی بھی نہیں تھی، کھلتی ہوئی گندمی رنگت میں بے حد کشش تھی..... اور لمبے گھنے بال لیکن رنگت اس کی سرخ و سفید جو نہ تھی تو اماں کو اختلاف تو ہونا تھا۔ پوتے، پوتیوں کی خوب صورتی میں ملاوٹ قطعی نامنظور..... لیکن نعیم بھی ان ہی کی اولاد تھا۔ ضد کا پکا..... سو عفت کو بیاہ لائیں لیکن خود سے ہمیشہ کمتر جانا اور سلوک بھی امتیازی کیا..... پھر ہوا کچھ یوں کہ عفت جلد امید سے ہو گئی جبکہ ثمینہ بٹی کی گود ہنوز خالی تھی..... غرور و تکبر میں اماں بیٹی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ سمیعہ بارہ برس پہلے اس گھر کی بہو بنی تھی۔ خاندان کی تھی، ان کے انداز سمجھتی تھی، مقابلہ دو بدو ہوتا..... سلیم کا پورا پورا ساتھ بھی حاصل تھا سو وہ جلد ہی گھر کی سب سے بالائی منزل میں علیحدگی اختیار کر گئیں۔ بیچ کی منزل اماں، ابا کی تھی اور سب سے نچلی منزل نعیم اور عفت کی.....

ساٹھ کی دہائی کے اوائل میں تعمیر کیے گئے اس تین منزلہ گھر کا طرزِ تعمیر بہت خوب صورت تھا۔ مکانیت کم تھی، پلاٹ تھا تو محض پانچ مرلے کا لیکن طرزِ تعمیر ایسا تھا کہ بہت بڑا لگا کرتا..... ہر منزل میں دو وسیع و عریض کمرے، ایک برآمدہ اور کھلا صحن..... کھلے صحن سے اوپری منزل سے جھانکو تو نیچے آخری منزل کے صحن تک جھانک لو..... یوں سمیعہ بھابی فرصت کے اوقات میں اوپر سے جھانک کر عفت کی حالتِ زار دیکھتی رہتیں۔ اسی سہولت کی بدولت انہوں نے کئی بار عفت کو ساس نند کے مظالم سے حتی الامکان بچایا پر ہر ظلم سے نہیں..... لیکن وہ ایک ظلم جس سے زمین آسمان لرز اٹھتے ہیں اس سے تو سمیعہ بھابی نے عفت کو بروقت بچایا۔ حسد کے ہاتھوں ننھا وجود دنیا میں آنے سے پہلے روٹھ جاتا جو اگر سمیعہ بھابی اوپر سے ساس کو دوا کی شیشی عفت کو تھماتے نہ دیکھ لیتیں۔ ایسی ہی شیشی اسے بھی دی گئی تھی لیکن وہ قدرے عقلمند تھیں سو بچت ہو گئی پھر کن حیلوں بہانوں سے انہوں نے عفت کو اوپر بلوایا وہ ایک الگ ہی قصہ..... وہ شیشی ہتھیالی..... نعیم کو بلا کر سلیم کے سامنے بٹھا کر سارا معاملہ رکھا وہ علیحدہ داستان..... دونوں بھائی سمیعہ کے مشکور ہو گئے۔ عفت مشکور ہونے کے بجائے ساس کے خوف میں زیادہ جکڑی ہوئی تھی۔ نعیم، سلیم نے باپ کے ساتھ میٹنگ کی اور باپ نے اپنی بیگم کے خوب لتے لیے..... وہ گھر کے معاملات میں کبھی نہیں بولتے تھے۔ مختارِ کل اپنی بیوی کو بنا رکھا تھا لیکن ان کا اندھا اعتماد یا گھریلو معاملات سے چشم پوشی یہ دن دکھائے گی اس کا انہوں نے تصور نہیں کیا تھا۔ سو جب گرجے تو جم کر گرجے..... عفت نیچے کمرے میں بند لرزتی رہی..... ٹیلی فون کا زمانہ نہیں تھا بہت ہی کم کہیں فون پایا جاتا تھا

سوثمینہ جب ہفتہ واری چکر پر گھر آئی تو اس کی بھی شامت آئی۔ پھر ہوا یوں کہ ماں، بیٹی محتاط ہوگئیں۔ یہ حربہ کارگر نہیں ہوا تو چالیں بدل ڈالیں۔ مرد سارا دن تو گھر پر نہیں ہوتے۔ انداز محتاط ہوگئے۔ سمیعہ سے رویہ تلخ و ترش ہوگیا کہ وہ بھی زیادہ بیچ میں نہ بولے۔ لیکن خدا اسی لیے تو ایک واحد ہے، اسی لیے تو اس نے خدائی میں کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا..... اور جو اگر انسان کے پاس خدائی اختیارات ہوتے تو وہ تو دوسرے انسانوں کو نوچ کے کھا جاتا..... خون پی جاتا، جو ایک حد تک اختیارات انسان کے ہاتھ میں دیے گئے ہیں، وہ اسی سے قیامتیں برپا کر دیتا ہے۔ کہیں فرعون بن بیٹھتا ہے تو کہیں نمرود کا روپ دھار لیتا ہے۔ اماں بھی ایسی ہی کوئی کرسی سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں۔

بہوؤں سے حسد، جلن ایک طرف..... لیکن گھڑاپے میں اماں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ ہانڈی چڑھاتیں تو جب تک مکمل بھن کر پک کر تیار نہ ہو جاتی ہانڈی کے سرہانے سے نہ ہٹتیں۔ ایک لمحہ دائیں بائیں دیکھنا بھی گویا گناہ سمجھتی تھیں۔ ان کے بقول... "ایسی ہانڈی خاک مزیدار بنے گی جسے چڑھا کر پانی سے بھر کے گھنٹا بھر کے لیے بھول ہی جاؤ..... میں تو مانو ایک، ایک دانہ ہاتھ میں لے کر پکاتی ہوں۔" اور ان کا یہ فخر بجا تھا ہر مرحلے پر کڑی نظر رکھتیں۔ ذرا کوئی کمی بچی ہنڈیا میں نہ ملتی۔ ذائقہ لاجواب..... نعیم کو ان کے ہاتھ کی ماش کی دال بے حد مرغوب تھی، کھڑی کھڑی دال..... دانہ، دانہ الگ الگ..... گویا موتی دانے..... بے حد نرم لیکن حلوا نہیں..... دیکھنے میں لگے کھڑے، کھڑے دانے سخت ہوں گے..... لیکن پہلا نوالہ منہ میں ڈالو تو بندہ کہے واہ..... لمحے، لمحے کی نگرانی کی محنت وصول ہو جاتی۔ گردن کا سریا اکڑ جاتا..... لیکن یہ نہیں تھا کہ وہ ہنڈیا پکاتی تھیں تو بس رسوئی ہی کی ہو کے رہ جاتیں۔ وہ ہر کام میں سلیقہ مند تھیں..... گھر میں ان کا سلیقہ اور گھڑ اپا قدم قدم پر بولتا، سرخ چمکدار فرش..... انگلی پھیرو جو گرد لگ جائے تو وہ گھر صداقت بیگم کا نہیں..... یہی حال بھاری منقش فرنیچر کا بھی تھا۔ کپڑے پر سرسوں کا تیل لگا کے فرنیچر کی صفائی کرتیں..... پھر خشک ململ کا کپڑا پھیرتیں تو مانو گویا ابھی تازہ پالش کروا کے لائی ہوں..... گھر کو دیکھو تو پرانے وقتوں کا موٹی موٹی دیواروں والا گھر تھا۔ دیوار میں کھڑکی بنی، شیلف خود بخود بن گیا..... اتنا چوڑا کہ ایک بڑا بندہ آرام سے پاؤں چڑھا کے بیٹھ جائے۔ یا آگے کھانا رکھ کے کھالے..... لیکن اماں کے سامنے نہیں..... یہ کام سمیعہ بھابی کی بیٹیاں کرتی تھیں کیونکہ وہ دادی کی کڑی نگرانی سے پرے تھیں۔ خیر ہر شیلف کے لیے اماں اپنے ہاتھ سے کپڑے کڑھائی کرتیں، کنارے پر کروشیہ بنتیں..... درجن کھڑکیاں ہوں گی ایک بھی غلاف کے بنا نہ ملے..... چائے کی میز، خوب صورت سفید فارمیکا لگی نفیس سی..... اس پر بھی خوب صورت کڑھائی والا کپڑا بچھا دیا۔ برتنوں، فرنیچر، دیواروں کسی چیز کو بھی برہنہ رکھنا وہ قطعی معیوب سمجھتی تھیں..... اور آج کل یہی برہنگی فیشن ہے بلکہ ہر جگہ شیشہ لگا کر برہنگی کو خوب صورتی میں بدل دیا گیا ہے تو اماں کی تو رسوئی کی صافیاں تک کڑھی ہوتیں..... ثمینہ کو بھی اپنے جیسا بنا کے بیاہا تھا۔ وہ بھی ان سب کاموں میں ماں کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اور جو کبھی معمولی سی سستی دکھائی وہیں چوٹی سے پکڑ کر چارپائی سے باندھ دیتیں۔ سلیقہ بھی کہے کہ میرا کوئی اور نام رکھ دو۔ یہ نام بھی اماں کو بیان کرنے میں کم ہے۔ تو جناب یہ نہیں تھا کہ خود سر جھاڑ منہ پھاڑ ہوں، اتنی ہی توجہ اپنے سنگار پر بھی تھی۔ کپڑے یوں بے شکن ہوتے کہ کبھی گمان ہوتا کہ شکنوں کے خوف سے اماں لیٹتی ہی نہ ہوں گی۔ گھٹنوں کو چھوتے گھنے لانبے بال، ہر روز پابندی سے تیل لگا کر بال سنوارتیں۔ آج کے دور کی عورت نہیں کہ گھر سنبھالنے اور بچے پالنے میں حال حلیہ ماسیوں جیسا اور گھر کباڑیوں جیسا..... اماں کی ہر چیز پرفیکٹ تھی۔ سل بٹے کے زمانے میں، دمڑی کے زمانے میں اور تانگوں کے زمانے میں.....

اچھا تو جناب ایسے میں بہو مل گئی انہیں پہلے سمیعہ جیسی پھر عفت جیسی..... یہ دونوں بری نہیں تھیں... بدسلیقہ اور پھوہڑ بھی نہیں تھیں۔ پرایسی پرفیکٹ بھی نہ تھیں..... بھئی اب صداقت بیگم جیسی تو ہر کوئی نہیں ہوتی ناں..... سمیعہ خاندان کی تھی، دبتی نہیں تھی۔ پھر شوہر کی شہ حاصل تھی سو بنی نہیں..... جلد ہی الگ ہوگئی۔ اب عفت بھی نارمل حد تک سلیقہ مند تھی پر اماں کے نزدیک پھوہڑ مگر اس میں ایک بات تھی وہ حد درجہ تابعدار تھی۔ تو وہ اماں کی ہدایات پر چوں چرا کیے بنا عمل کیے جاتی اور خود کو اماں جیسا بنائی جاتی..... خوش تو اماں پھر بھی نہیں ہوتی تھیں۔ بیٹی سے پہلے پاؤں جو بھاری ہوگیا تھا پھر طعنے، تشنے اور مختلف قسم کی باتیں سننے کو ملتیں.....

''جیسی خود کالی ہے ویسی ہی اولاد بھی لائے گی' میری خوب صورت نسل کو بٹا لگائے گی۔''

''چھوٹے قد والی چھوٹی کے بچے کو تاہ قد ہی پیدا ہوں گے ہائے میرا نعیم کیسا اونچا لمبا گبرو جوان ہے۔ چھوٹے، چھوٹے قد والے بیٹے ساتھ چلتے کیا اچھے لگیں گے۔''

''اور پتا نہیں بیٹے لانے والی بھی نہیں لگتی یہ..... خود جو پانچ بہنیں ہیں تو اس کی تو آدھی درجن بیٹیاں ہی آنی ہیں۔'' اور عفت کہہ نہ پاتی کہ پانچ بہنیں تو ہیں پر بھائی بھی تو آٹھ ہیں..... بس راتوں کو روتی خدا سے دعائیں مانگتی۔

''یا اللہ بیٹا دینا، جو بھی دینا بس خوب صورت دینا..... یا اللہ! کوئی بچہ میری صورت نہ چرائے..... یا اللہ میرے بچے اپنے باپ، دادی، پھوپی جیسے حسین و جمیل پیدا ہوں۔'' وہ روئے جاتی اور مانگے جاتی..... بنا سوچے سمجھے کہ وہ کس قدر ادھوری دعائیں مانگ رہی ہے۔ اس نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ وہ صورت شکل کے ساتھ اولاد کے اچھے نصیبوں کی بھی دعا مانگے۔ بس جس بات کا خوف سوار تھا وہی مانگتی رہی۔

☆☆☆

تابعداری، احساسِ کمتری اور دب جانے جیسے

گھر کے ہر فرد کے لیے
بے مثال تحریروں کا مجموعہ

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

میں نیا دل گداز سلسلے وار ناول

گم شدہ محبت

آپ کی ہر دلعزیز اور مایہ ناز مصنفہ

انجم انصار

کے ماہرانہ قلم کا شاہکار..... شوخ و چنچل..... جملوں سے سجا..... معاشرتی و نفسیاتی گرہیں کھولتا یہ ناول محبت کے ایک نئے اور بے حد خوب صورت رنگ سے بھی روشناس کرائے گا

ماہِ فروری سے صفحات کی زینت بننے جا رہا ہے

اوصاف اس کی شاید گھٹی میں پڑے تھے۔ وہ بھی نعیم کی پسند تھی جیسے سمیعہ سلیم کی پسند تھی لیکن سمیعہ کو خود کو منوانا اور محبت وصول کرنا آتا تھا۔ عفت ان خوبیوں سے عاری تھی۔ اس کی فطرت کی سادگی، بے وقوفی اور خوف اسے نعیم کے قریب نہ لا سکے۔ کچھ نعیم بھی فطرتاً سلیم سے مختلف تھا۔ سلیم باپ پہ تھا۔ نرم مزاج اور محبت کرنے والا، نعیم ماں کا پرتو تھا۔ انتہائی سخت مزاج، اکھڑ اور روایتی قسم کا مرد..... جو شوہر بھی روایتی ہی ثابت ہوا تھا۔ جو عفت میں کچھ گن ہوتے تو شاید تھوڑا بدل جاتا لیکن..... وہ پرے رہتا تو عفت ڈر کے مزید پرے ہو جاتی..... اسے قریب ہونا یا قریب کرنا کبھی نہیں آیا۔ نعیم قطعی گھریلو مزاج کا نہ تھا۔ اس کی دلچسپی کا محور و مرکز شادی کے بعد باہر اس کے دوست تھے اور ان کی محفلیں اور وہ خود محفلوں کی جان تھا۔ وہ ماں کی طرح خود پسند تھا۔ اپنی تعریفیں اور قصیدے اسے خوش کرتے تھے۔ اور عفت کو یہ سب نہیں آتا تھا۔ سو وہ عفت کو گھر لا کے بھول گیا۔ باپ کا ذاتی کافی بڑا اور پھیلا ہوا کاروبار تھا۔ دونوں بھائی باپ کے ساتھ بیٹھتے، فراغت ملتی تو نعیم اپنے دوستوں یاروں میں جا بیٹھتا..... آدھی رات کو گھر لوٹتا۔ مطلب ہوا تو بیوی پر نظرِ کرم کر لی ورنہ پیٹھ موڑ کر خراٹے..... اور عفت پشت دیکھتی رہ جاتی۔ یہ تھا ان کا تعلق..... عفت کی فطرت میں شکوہ تو تھا ہی نہیں..... وہ شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والے شوہر کو ہر رویے میں حق بجانب سمجھتی..... باندی بنی خدمت میں جتی رہتی۔ تو وہ توجہ کیا خاک دیتا!

☆☆☆

پانی کی بوچھاڑ کی آواز اور اماں کی ہدایات.....

''آج کون سا نائک چلا ہے.....'' سمیعہ نے یونہی نیچے جھانکا اور دنگ رہ گئی۔ ''اب یہ نیا حربہ..... یا اللہ یہ عورت اور اس کے ظلم کون سا دن دکھائیں گے۔'' سمیعہ لرز گئی۔ گھر کے ہر کمرے میں بھاری ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے۔ اب یہ سوچنا مشکل تھا کہ شامت ان قالینوں کی آئی تھی یا عفت کی یا پھر آنے والے بچے کی..... عفت کا ساتواں مہینہ تھا۔ اس پر یہ مشقت اماں صداقت جیسی سلیقہ مند عورت کے گھر کے قالین بھلا اتنے گندے ہو سکتے ہیں کہ کہ ان کو رگڑ کے دھونے کی نوبت آ جائے..... لیکن حسد کا وجود تو ہے ناں اتنا ہی گندا..... اب قالین پہلے ہی بھاری، دھل کر گیلا ہو کر دگنا بلکہ دگنے سے بھی دگنا بھاری..... اور اسے اکیلی تنہا عفت کاندھے پر لاد کے نچلی منزل سے چوتھی منزل یعنی چھت پر لے جا کر دیوار پر پھیلائے..... اُف..... سمیعہ کا رنگ زرد پڑ گیا ..... جب تک موٹے بھاری قالین مکمل طور پر خشک نہ ہو جاتے تب تک روزانہ بارش کا ڈراوا دے کر نیچے اتروائے جاتے اور صبح ہوتے ہی پھر چڑھاؤ..... یا اللہ..... اماں کے کمرے کا قالین سوکھا، برآمدے کا اٹھاؤ، وہ سوکھا، اب بیٹھک کا اٹھاؤ، پھر نچلی منزل کے..... اُف..... سمیعہ کڑھتی، عفت روتی، اب نعیم سلیم سے کہنے کا بھی فائدہ نہ تھا۔ مانع حمل دوا پہ جو ہنگامہ اٹھا تھا اس کے بعد سلیم نے سمیعہ سے کہہ دیا تھا کہ مزید کسی معاملے میں بولنے سے محتاط رہے.....

وہ بھی مجبور ہو گئی۔ صرف دعا کر سکتی تھی۔ سو وہ کر رہی تھی۔ اس کے اور عفت کے بیچ روایتی دیورانی جیٹھانی والا جلا پایا حسد کا تعلق نہیں تھا۔ بن ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ عفت کا تابعدارانہ اور عاجزانہ مزاج تھا۔ سو سمیعہ بھی بڑی بہنوں کی طرح پیش آتی۔ لیکن اس مسئلے کا حل سمیعہ بھی نہ نکال پائی..... ماؤں کے آگے دکھڑے رونے والا دور بھی نہ تھا وہ..... نہ ہی تب بیٹیاں اتنی لاڈلی ہوا کرتی تھیں۔ خیر..... قالین کے علاوہ بھی ڈھیروں مشقتیں تھیں۔ دن میں دو بار پورے گھر کے کونے کونے کی صفائی، گھر اس قدر صاف رہتا کہ مانو پوچا لگانے والے تو لیے سے منہ پونچھ لو..... ساس کے لمبے گھنے بالوں کی ایک گھنٹا تیل لگا کے چمپی کرنا.....

برتن دھونے کے بعد سو کھنے کے لیے ٹوکری میں چھوڑنے نہیں..... خشک کپڑے سے ایک، ایک چمچ تک سکھا کر جگہ پر سنبھالنا اور کھانا اپنے اوقات کے

علاوہ..... سوچنا بھی گناہ..... اس حالت میں پھل مٹھائی میوے..... توبہ کرو، مشقت اور صرف مشقت..... رات کو سونے سے پہلے ساس کے پورے جسم کو دبانا خصوصاً ٹانگیں دبانا..... عفت کو لگتا اس کی اپنی ہڈیاں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں گی اس قدر تھکن ہو جاتی..... لیکن زبان پر اُف کا کلمہ نہ آتا۔ وہ ڈھیٹ تھی، اس کی آنے والی اولاد مہا ڈھیٹ.....

☆☆☆

عفت کا آٹھواں مہینہ تھا جب ثمینہ پر بھی اللہ نے کرم کیا۔ بے اختیار ایک سکھ بھری سانس عفت نے خارج کی تھی اس احساس کے تحت کہ اب ساس کی توجہ بٹ جائے گی لیکن یہ بھی اس کی خام خیالی تھی۔ اب چونکہ مشقتوں سے بھی ڈھیٹ بچے پر کوئی اثر نہ ہوا تو زبانی کچوکے شروع کر دیے۔

''درد چوبیس گھنٹے سے کم نہیں چلتے..... یاد رکھنا..... یہ نہ ہو کہ بڑی بہو کی طرح پہلی ٹیس پر واویلا شروع کر دیا..... منہ میں کپڑا ٹھونس لینا..... گھر میں مرد ہیں، بے حیائی مجھے برداشت نہیں..... ایک بھی چیخ نکلی وہیں چوٹی سے پکڑ کر نکال باہر کروں گی۔'' عفت سنتی رہتی..... روز روز صبح شام اٹھتے بیٹھتے ایک ہی راگ، وہ سن سن کر سن ہی ہو گئی۔ فطرتاً ہی بزدل تھی۔ خیر..... پھر بیٹی ثمینہ آتی..... لاڈ، نخرے، چاؤ، چونچلے، یہ نہیں کھانا، وہ نہیں پینا، ماں صدقے، ماں واری..... ''ہائے میری ماں.....'' عفت کے آنسو اندر کہیں پاتال میں گرتے رہتے۔ عرصہ گزرا اماں سے ملے..... باپ کو دیکھے، اس کا پانچواں مہینہ تھا۔ جب اس کی چھوٹی بہن کی بات پکی ہوئی تھی شگن کے لیے اسے لینے بھائی آئے۔ اماں نے واویلا مچا دیا۔

''اس حالت میں.....؟'' عفت چور سی ہو گئی، کمرے میں بند ہو گئی۔ بھائی انتظار کر کے چلے گئے..... اور اب یہ ثمینہ بھی تو اسی حالت میں..... وہ بس سوچ ہی سکتی تھی۔ بہو اور بیٹی کا فرق کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا تھا۔

نواں مہینہ چڑھ چکا تھا۔ وجود کا بوجھ، کام کاج کا بوجھ، ساس نند کے طعنوں تشنوں کا بوجھ، شوہر کی لاتعلقی اور بے حسی کا بوجھ، کیا کیا بوجھ ناتواں جان پر لیے وہ چلتی رہتی، پھرتی رہتی حکم بجالاتی رہتی۔ ثمینہ کا میاں انوار لندن چلا گیا تھا۔ ثمینہ کے فارغ ہوتے ہی بچے سمیت لندن بلانے کا بندوبست کرنا تھا۔ ثمینہ مزید ہواؤں میں اڑی پھر رہی تھی۔ خاندان میں بیاہنے جانے کا فائدہ..... اماں اسے ساتھ ہی لے آئیں جب تک فارغ نہ ہو جاتی..... عفت مزید نڈھال ہو گئی۔ اس کے آخری ایام تھے اور کام کاج کا بوجھ برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ کھلتی گندمی رنگت والی عفت کالی بھجنگ مائی بن چکی تھی۔

☆☆☆

پھر وہ رات..... بڑی خوفناک رات تھی وہ..... نعیم کب کا سو چکا تھا۔ کام کاج نبٹا کر تھکن سے مردہ حال عفت کمرے میں آئی۔ کمرے کے کام ابھی باقی تھے۔ شوہر کے دفتر کے لیے کپڑے استری کرنا، وہ بھی ایسی کہ ایک شکن بھی نہ نظر آئے۔ پتلون، قمیص، ٹائی، وہ حد درجہ خوش لباس تھا۔ بنیان، موزے، رومال اور بیلٹ تمام لوازمات موجود ہوں سامنے..... پھر جوتے پالش..... اور پالش ایسی کہ چہرہ دکھائی دے، جوتے میں، آئینے میں نہیں دیکھنا؟ اس گھر کے مکین..... اور ان کے آفاقی نخرے..... الامان..... تو پھر..... جوتے پالش کر کے وہ سیدھی ہونے لگی تھی لیکن ہو نہ پائی۔ مزید دوہری ہو گئی..... شدید تکلیف کے عالم میں بھی ساس کے احکامات نہ بھولی۔

''چیخنا نہیں، چیخ نکلی تو چوٹی پکڑ کے.....'' اور اس نے گھٹنوں پر خود کو گھسیٹ کے ذرا فاصلے پر موجود مسہری کی پائنتی کا سہارا لیا اور مسہری کے گدے پر اپنے دانت بری طرح گاڑ دیے۔ دبیز گدے نے اس کی چیخیں اپنے اندر جذب کر لیں۔ اس نے بے بسی سے کروٹ کے بل دوسری جانب رخ پھیر کر گہری نیند سوئے نعیم کو دیکھا..... اس وقت اسے جگانا شیر کی کچھار

میں ہاتھ ڈالنے سے بھی برا..... محبت لٹانے والی جیٹھانی رات کے اس پہر سب میلوں دور، ماں.....

"ماں میری پیاری ماں..... تم نے بھی یہ درد گزارے ہوں گے کتنی ہی بار....." تکلیف کی لہر تھمی تو اس کی آنکھوں سے شفاف قطرے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرے.....

اسی شہر کے ایک کونے میں موجود ایک بڑے سے دالان والے گھر کے ایک کمرے میں سوئی اس کی ماں نیند میں کسمسائی تھی۔ اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ بیٹی کی پکار نے لہروں کی صورت ماں تک سفر کیا تھا..... ماں کے دل پر کسی نے چٹکی سی کاٹی۔ نیند ٹوٹتے ہی پہلا خیال عفت کا آیا۔

"میری بچی..... میرے مالک، میری بچی پورے دن سے ہے۔ اسے اپنی رحمت کے سائے میں رکھنا۔" ماں کی دعا نے لہروں کی صورت سفر کر کے عفت کا حصار کیا۔ وہ ٹھنڈی میٹھی نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ پھر گھنٹے بھر بعد درد کی اگلی مزید تیز لہر نے اسے جھنجوڑ کے یوں جگایا گویا وہ کبھی سوئی ہی نہیں تھی۔ اور پھر وہ سو بھی نہ پائی۔ درد کی لہریں تیز ہو رہی تھیں۔ وہ کبھی دوپٹا منہ میں ٹھونستی کبھی تکیہ دبوچتی کبھی اپنے بازو پر کاٹتی کبھی تکیے پر سر مارتی لیکن رات بیت گئی اور ایک ہاتھ کے فاصلے پر سویا شوہر تک جان نہ پایا کہ رات اس پر کس قیامت سے بیتی..... بس شوہر بے آرام نہ ہو جائے، ساس کی حکم عدولی نہ ہو جائے اس نے آواز نہ نکلنے دی۔ صبح تک وہ نیم جان ہو چکی تھی۔ شوہر نے ایسی حالت دیکھی تو دبے لفظوں ڈرتے ڈرتے بتایا اور اس نے ماں کو بتایا۔

"ابھی تیرے ابا گھر پر ہیں، اس سے کہہ حیا کرے....." اماں پھنکاریں۔ اسے حیا کی ہدایت دیتا وہ باہر نکل گیا۔ ابا کے جانے تک وہ حیا کا دامن پکڑنے میں ہلکان ہوتی رہی۔ ان کے جاتے ہی جب وہ ایسی صورت لیے اماں کے سامنے گئی تو ان کی جہاندیدہ آنکھوں نے خطرے کا الارم دکھایا۔ اس کا انٹرویو لیا تو دو سوالوں کے جواب میں ہی اماں کے ہاتھوں کے طوطے مینا سب اڑ گئے۔ بھاگم بھاگ محلے کی پرانی کہنہ مشق دائی کو بلوایا۔ صد شکر وہ کام پر نکلی نہیں تھی بس روانہ ہونے لگی تھی۔ پھر اذیتوں کے پہاڑ تھے جو اس نے سر کیے..... اور من موہنی سی صدف اس کی گود میں آ گئی۔ باپ کے جیسی حسین و جمیل۔

☆☆☆

صدف روتی تھی اور ایسا روتی کہ چپ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی..... ماں گود میں اٹھاتی تو چپ..... دادی بیخ پا..... پھوپی منہ پھلائے.....

"ارے ایسے گودی لیے، لیے ہم نے تو بچے نہیں پالے....." وہ شروع ہو جاتیں۔ ثمینہ لقمے دیتی۔ عفت ڈر کے بچی کو لٹا دیتی۔ اس کی بھاں بھاں بڑھ جاتی۔ عفت کان لپیٹ لیتی..... اسے اٹھائے تو کاموں کا انبار کون دیکھے..... پھر دادی جھلاتیں۔ ثمینہ ذرا کی ذرا اٹھاتی پھر چپ نہ کرا پاتی تو تنگ آ کے لٹا دیتی۔ کینہ توز نظروں سے دیکھتی۔

"کم بخت ہے بڑی خوب صورت..... پر شکر ہے ماں پر نہیں پڑی..... ہاں رونی صورت ماں جیسی ہی ہے۔" آخری جملہ بہ آواز بلند کہا جاتا۔ صدف کا رونا کم نہ ہوتا..... عفت کی بے نیازی برقرار رہتی..... پھر اماں جھلاتی، تنگ آ کر اٹھیں، ڈوڈا پکا کر فیڈر میں بھرا اور عفت کو تھما دیا۔

"اس کے منہ سے لگا دے۔" وہ حیران ہوتی۔

"یہ کیا ہے اماں؟" اماں نظریں چراتیں۔

"ارے سکون سے سوئے گی پیٹ نہیں بھرتا جان نہیں پکڑتی۔ رو رو کر خاک ہو جائے گی پیٹ بھرے گا تو سوئے گی پھر ہی جان پکڑے گی۔" سوال گندم جواب چنا..... مقابل عفت جیسی بدھو..... اسے غرض ہی کب تھی۔ وہ تو حکم کی غلام تھی۔ ثمینہ چور نظروں سے دیکھتی۔ وہ فیڈر بچی کو پلا دیتی۔ پھر سکون ہی سکون..... ارے واہ یہ تو جادو ہے۔ وہ کٹھ پتلی بی بی پہلے بہو تھی پھر بھابی پھر بیوی اور سب سے آخر میں ماں..... اس کے لیے مامتا آخری ترجیح تھی اور

پہلے نمبر پر گھر کے کام کاج.....وہ تہ میں کیونکر جاتی کہ آخر فیڈر میں دادی کون سا جادو گھول کے پلاتی ہے کہ سارا دن صدف ٹن پڑی رہتی ہے۔ اسے احساس ہی نہیں وہ اور جب احساس ہوا تب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اور احساس ہوا بھی کب، احساس تو دلایا گیا کہ صدف عادی نشئی بن چکی ہے۔ اور احساس دلانے والی بھی وہی سمیعہ.....وہ کم ہی نیچے اترتی تھی اس لیے اسے دیر سے پتا چلا.....وہ یہی سمجھتی رہی کہ بچی بڑی صابر ہے۔ روتی نہیں، ماں کی مصروفیات سے سمجھوتا کر کے چپ چاپ پڑی رہتی ہے، مگر یہاں تو...

☆☆☆

عفت کی ماں آئیں..... بچی کی مبارکی لائیں، صد شکر کہ اماں کا رویہ عفت کی ماں مرجان بیگم سے بہت اچھا ہوتا۔ ثمینہ بھی اچھے سبھاؤ سے ملتی۔ سمیعہ بھی کسی کی پروا کیے بنا نیچے اتر آئی۔ مرجان بی بی نے شاندار مبارکی بنائی تھی۔ دادا دادی کے قیمتی جوڑے، پھوپی، پھوپا کے قیمتی جوڑے، تایا تائی کو بھی نہیں بھولیں۔ عفت اور نعیم کے لیے جوڑوں کے علاوہ بھی تحائف..... بچی کے ڈھیروں کپڑے اور تحائف الگ..... پھل، میوے مٹھائیاں، سوغاتیں الگ..... ریت رواج بھی ان کے اتنے ہی تھے پھر اللہ کا دیا بھی بہت تھا۔ صدف ٹن پڑی تھی۔ مرجان بی بی کچھ کھٹکیں مگر کچھ کہہ نہ سکیں.....لڑکی کی ماں پر زبان بندی فرض ہوتی ہے۔ جس بھائی کا بیاہ عفت کے بیاہ سے چھ ماہ پہلے ہوا تھا اس کے بچے کو بھی عفت دیکھ نہ پائی تھی۔ سو بھاوج چلی آئی تھی۔ بڑی بھابیوں، بہنوں کو چھوڑ کر اماں کیوں صرف رفیعہ کو ساتھ لائی تھیں عفت خوب سمجھتی تھی۔ ماں کی محبت پر اس کا دل بھر آیا۔ آنکھیں بھر لانے کی اجازت نہ تھی۔ ایسی سسرالیوں میں بیٹی کی ماں سے ملاقات جیل کے ملاقاتیوں جیسی ہوتی ہے۔ سو اس کا بھی ابھی دل نہ بھرا تھا کہ اس کی ماں کو رخصت ہونا پڑا۔ وہ زیادہ بیٹھتیں تو بھی عفت کا ہی نقصان تھا۔ کاموں کا انبار بڑھ جاتا وقت گھٹ جاتا ہاتھ تیز چلانے پڑتے..... ماں بھی اب سب سمجھنے لگی تھی۔ سونا ک کی سیدھ میں دیکھتے ہوئے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔ رفیعہ ترحم بھری نظر اس پر ڈالتی ملی اور ساس کے پیچھے نکل گئی۔ بیٹی پیاسی نگاہیں لیے کھڑی رہ گئی۔ ڈیوڑھی کے آخری سرے پر کھڑی اماں کو ذرا کی ذرا ضمیر نے کچوکا لگایا پھر وہ سر جھٹک کر

قارئین متوجہ ہوں

پرچا نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچا نہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ بک اسٹال کا نام جہاں پر چا دستیاب نہ ہو۔
☆ شہر اور علاقے کا نام۔
☆ ممکن ہو تو بک اسٹال کا PTCL یا موبائل فون نمبر

رابطے اور مزید معلومات کے لیے

ثمر عباس

03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سسپنس، جاسوسی، پاکیزہ، سرگزشت

C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

مندرجہ ذیل ٹیلی فون نمبرز پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

گویا ضمیر کی آواز کو دھکیل کر واپس اندر آگئیں۔ گھر کے اندر یا پھر اپنے خول کے اندر......

☆☆☆

ثمینہ کے ایام حمل بھی پورے ہوئے اس نے بیٹے کو جنم دیا۔ اور عفت پھر سے تختی میں آگئی۔

''قسمت والیاں ہوتی ہیں جو بیٹے لاتی ہیں شوہروں کو باز و عطا کرتی ہیں۔ نحوست ماریاں تو بس شوہروں کے سر اور کندھے جھکانے کا ہی سامان کرتی ہیں۔ بیٹیوں کے ڈھیر جمع کر کے۔'' اس کی تو ابھی ایک ہی بیٹی ہوئی تھی پھر......؟ خیر...... پھر ثمینہ کے چھلے۔ کے ناز نخرے خالص خوراکیں اور مالشیں...... واہ رے بٹی۔ پر تو بھی تو کسی کی بیٹی ہے۔ تیری ماں کی نہ ہوئی اتنی ہمت جو آکے لے جاتی چاؤ پورے کرنے کو......

تو بس وہ خود کو بدقسمت گردان کر مطمئن ہو جاتی۔ انوار آیا کاغذات پر کام ہوا بیٹے سے ملا اور بیوی اور بیٹے کے کاغذات لے کے واپس لندن سدھارا۔ اس کا وہاں کام سیٹ ہو گیا تھا۔ بس مہینہ بھر میں دونوں کو بلوالیتا۔ بیٹا بھاگوان ثابت ہوا۔ وہ دیکھتی رہی چپ چاپ...... خدمتیں کرتی رہی لب سیے۔ اپنی بچی پڑی رہتی۔ وہ نند کے بچے کو سنبھالتی، وہ بھی روتا تھا۔ دن رات، پر اسے کسی نے ڈوڈا نہ دیا۔ عفت کی گود میں ڈال دیا۔ اب ثمینہ نیندیں پوری کرتی، عرقِ لیموں، عرقِ گلاب اور گلیسرین ملا کر کریم بنا بنا کر چہرہ رگڑتی اور عفت ننھے آصف کو گود میں لیے کام کرتی...... یہ وقت بھی گزرا...... اور ثمینہ بی بی ٹکٹ کٹا کر بیٹے کو لیے میاں کو پاس جا پہنچیں۔

اب ثمینہ کے خط آتے، آڈیو کیسٹ آتے، آصف کی باتیں اس کی غوں غاں ...... گھر کی باتیں...... لندن کی باتیں...... صدف پاؤں پاؤں چلنے لگی تھی۔ آصف کے بیٹھنا سیکھنے کے دن تھے جب ایک ہولناک انکشاف نے کلف لگی گردنوں کو ایک جھٹکے میں توڑ ڈالا۔ ثمینہ کا خط آیا تھا۔ ساتھ کیسٹ بھی تھا۔ ثمینہ نے رو رو کر ماں سے دل کا حال کہا تھا۔

''اماں آصف ابنارمل ہے، منگول......'' شروع میں بھی بچے گول مٹول سے ایک جیسی شکلوں کے ہوتے ہیں، پتا ہی نہیں چلا...... اور پھر......'' ثمینہ کی آہ و زاری سن کر عفت بھی اشکبار ہو گئی۔ وہ فطرتاً نرم دل تھی۔ چاہے کوئی اسے بیچ کر کھا جاتا...... پر سمیعہ ایسی نہ تھی وہ بہت کچھ خود پر گزار چکی تھی۔ وہ کبھی فراموش نہ کرتی تھی۔

''دیکھا کیسا ٹوٹا ماں بیٹی کا غرور......'' وہ تنفر سے کہتی تو عفت کو حق بجانب لگتی۔ کیونکہ اس کی چار بیٹیاں تھیں اور کتنے برسوں بعد صدف سے سال بھر پہلے ہی اس کا بیٹا ہوا تھا۔ اس نے ایک ہی بیٹی پر جو کچھ سنا تھا وہ سمجھ سکتی تھی کہ ہر سال ایک بیٹی لانے پر سمیعہ نے کیا کچھ نہ سہا ہوگا۔ پھر یوں ہوا کہ اماں دھیرے دھیرے بستر سنبھال کر لیٹ ہی گئیں۔ اب جو کام وہ دیکھ لیا کرتی تھیں وہ بھی عفت پر آپڑے۔ جوڑوں کی تکلیف تو کئی سال سے تھی لیکن بیٹی کے دکھ نے قوتِ ارادی کو کمزور کیا تو بلڈ پریشر کا مسئلہ شروع ہو گیا اور پھر چھوٹی موٹی کئی بیماریوں نے ان کے وجود کو گھر بنا لیا۔ پھر ایک اور انہونی ہوئی بلکہ انہونی تو ہوتی ہی کبھی نہ ہونے کے لیے ہے۔ انہونی تو اسے ہم کہہ دیتے ہیں۔ سب کچھ تو طے تھا...... ایک عرصے سے بس بیل ذرا دیر سے بنی...... سمیعہ گھر والوں سے نالاں تھی۔ علیحدہ تھی پھر بھی بہت سے معاملات میں علیحدہ والی بات نہیں تھی۔ پابندی سی پابندی تھی...... گھر اور راستہ تو ایک تھا...... سلیم کا مزاج بھی آزاد پنچھی جیسا تھا۔ میاں بیوی نے بالا ہی بالا سب طے کیا۔ جب ٹکٹ ہاتھ آئے تب ہی بم پھوڑا...... کسی لکھ پتی دوست نے سلیم کا ساتھ دیا تھا۔ سو ابا کو بھی پتا نہ چلا...... پتا کب چلا......؟ جب...... کل رات کی فلائٹ ہے...... مستقل شفٹنگ پر کہاں......؟ امریکا...... سب حق دق رہ گئے۔ اماں ابا گم صم نعیم خاموش اسے کچھ کچھ سن گن تھی لیکن وہ بھائی کا سگا تھا۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ اس کے اپنے ارادے بھی نیک نہ تھے۔

پابندیاں اسے بھی کھلتی تھیں۔ پھر سلیم کی جرأت

نے شہہ دے دی۔ لیکن ابھی ماں کا خیال دامن گیر تھا۔ وہ نسبتاً زیادہ قریب تھا ماں سے..... خیر..... وقت کا پہیا اب الٹا گھومنا شروع ہو چکا تھا۔ اور پھر بندہ لاکھ ہاتھ پاؤں مارے یہ پہیا اس وقت تک نہیں رکتا جب تک اپنی الٹی گنتی پوری نہ کر لے..... اور گنتی تو ابھی باقی تھی۔ ابھی تو شروع ہی ہوئی تھی۔

کچھ عرصے بعد عفت کی گود میں نعمان آ گیا۔ سمیعہ کا خالی پورشن نچلی منزل تک اپنے خالی پن کا ہر وقت احساس دلاتا رہتا تھا۔ اماں لیٹی چھت کو گھورتی رہتیں۔ نعمان کی پیدائش پہ ایک اور دھکا لگا اماں اور ثمینہ کو..... صحت مند، خوب صورت باپ کی کاپی بیٹا..... نعیم کے بھی لاڈ جاگ اٹھے..... بیٹے کے لیے وقت سے گھر آنے لگا۔''

''ثمینہ کو اگلا خیال کیوں نہ آیا۔'' ماں کی سوچ ابھری۔ ''اب تک ابنارمل بچے کو ہی رو رہی ہے۔'' ماں نے خیال دلایا۔ اگلی کوششیں شروع ہوئیں۔ وظیفے، منتیں، مرادیں اس بار بیٹا ہوا..... مکمل صحت مند، کوئی کمی کجی نہیں..... لیکن حسن سے اٹے پڑے خاندان میں کالا بھجنگ، باپ کی کاپی..... ''اُف.....'' ثمینہ کی گود میں پرایا لگتا..... شرمندگی سی شرمندگی پر چلو تھا تو لڑکا ناں..... واصف نام رکھ دیا۔ اِدھر سے نعمان کی تصویریں جاتیں وہاں سے واصف کی نہ آتیں۔

دن آگے گزرے اماں کو دل کا مرض بھی لاحق ہو گیا۔ دل کمزور جو ہو گیا تھا۔ مزید بار اٹھانے سے انکار کر گیا۔ سوچیں، سوچیں، پریشان کن سوچیں..... آخر اسپتال جا پڑیں..... خدمت کے لیے عفت تھی ناں..... کل وقتی ملازمہ..... وہ بھی مفت..... اس کے بچوں کو عفت کی آپا آ کے ساتھ لے گئیں۔ چلو جی چھٹی ہوئی۔ بچوں کی شکل دیکھنے سے بھی گئی پر ایک فائدہ ہوا۔ جان توڑ کوششیں کر کے آپا نے صدف کا ڈوڈے کا نشہ چھڑا دیا۔ اور گن گن کر نوالے کھانے والے بچوں کو ڈٹ کر خوراک دی۔ اماں پندرہ دن اسپتال رہیں بچوں کے گال بھر گئے سرخی دوڑ گئی۔ اماں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ ثمینہ کے بچوں کا سوچ کے ہوک اٹھتی۔ بس پھر اسپتال تو گویا اماں کا میکا بن گیا۔ پر ابھی اللہ نے اماں کو بہت کچھ دکھانا تھا سو یونہی گھر اور اسپتال کے بیچ گھن چکر بنے، نئے عفت ایک اور خوب صورت اور صحت بیٹے کی ماں بن گئی۔ یہ بھی بلا کا خوب صورت۔ اللہ کا کرم تھا کہ قلیل خوراک اور مشقت کے بوجھ کے باوجود عفت کی اولادیں صحت مند ہی ہوئیں۔ اِدھر عفت کی گود میں عمران جیسا گڈا آیا اُدھر ثمینہ کی گود میں ثوبیہ..... بیٹی..... پھر تصویر آئی۔ اماں کی چیخیں نکل گئیں..... وہی کالی بھجنگ..... بھائی جیسی..... یا اللہ ثمینہ کا حسن سارا کہاں چلا گیا۔ کسی ایک بچے کو تو اللہ دے دیتا۔

اور بس..... پھر بس ہو گئی۔ اماں مکمل بستر سے لگ گئیں۔ نعیم بیٹوں کی موہنی صورتیں دیکھ دیکھ کر نہال ہوتا۔ بیٹی سے بھی لاڈ کر لیتا۔ اب دو بازو مل گئے تھے ایک بیٹی بری نہیں لگتی تھی۔ اب عفت قدرے پُرسکون رہنے لگی تھی۔ نعیم نے گھر پر وقت گزارنا شروع کیا تو بیوی پہ بھی توجہ ہونے لگی۔ بس پھر ایک دن شدید ترین ہارٹ اٹیک نے اماں کو اسپتال پہنچا دیا۔ آپا پھر آئیں..... تینوں بچوں کو لے گئیں۔ نعیم دن میں ایک چکر بچوں کے پاس لگاتا' ایک اسپتال کا..... عفت اماں کا منہ دھلاتی، رفع حاجت کرواتی۔ ان کی نفاست پسندی سے واقف تھی سو روز کپڑے بدلواتی، کنگھی چوٹی کرتی..... پہلی نگاہ میں وہ بیمار تو دکھتی ہی نہیں تھیں۔ سارا دن وقت پر دوائیں، کھانا، گھر کے چکر کاٹتی' یخنی بناتی، کھچڑی بناتی، منتوں، بہانوں ہزار بہلاوؤں سے کھلاتی پلاتی۔ رات کو مالشیں کرتی پر وہ گھل رہی تھیں۔ ڈھل رہی تھیں۔ چڑھتا سورج رات کے پردے میں چھپ رہا تھا۔ دھیرے، دھیرے وہ ہمت چھوڑ رہی تھیں۔ ثمینہ کو خط پہ خط لکھواتیں..... ملنے آ جاؤ، ماں بیمار ہے۔ دن تھوڑے ہیں..... ابا الگ خط لکھتے..... پھر سلیم اور سمیعہ کا خیال آیا۔ خط لکھوایا۔ دونوں بہن، بھائی دائیں بائیں خط لکھ کر فون کر کے احوال لے لیتے۔ پتا چلتا ماں

محتاج ہے، کس کی؟ وہی اپنی عفت.....بس پھر سب خاموش ہوجاتے۔ خدمتیں ہر کوئی نہیں کرسکتا۔ اپنی اولاد بھی پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ اور پھر اولاد بھی وہ جو نئی، نئی دیارِ غیر کی رونقیں دیکھ کر پوری طرح برت بھی نہ سکی ہو۔ یورپ کی چکاچوند چھوڑ کے کون آکے بیمار ماں کا چہرہ دیکھے.....تو بس پھر مجبوریوں کے خط آتے..... مہنگے ٹکٹ، بچوں کی ذمے داریاں.....سب کو لے کے آنا مشکل.....ابھی تو سیٹ بھی نہیں ہوئے۔ خرچہ، سو باتیں .....ثمینہ کو بد صورت بچے لانے کی بھی شرمندگی تھی.....کیسے لے آتی۔ خاندان والے سو سو باتیں کریں گے۔ ماں، ماں، ماں.....

یہ سب ماں سے بڑھ کے ہے؟ پھر سب چپ ہوگئے۔ اماں بھی..... گہری جامد چپ.....اور بس پھر ایک دن چپ ہی ہوگئیں ہمیشہ کے لیے..... اولاد کی چشم پوشی کا دکھ تھا۔ ابا نے بھی اولاد کی پروانہ کی۔ فون کروادیے.....دونوں نے کہا۔ ''اگلے دس گھنٹوں تک پہنچ جائیں گے انتظار کرلیں۔'' پر ابا نے دو گھنٹے بھی انتظار نہیں کیا۔ مردہ جسم کو ضرورت نہ تھی کہ اب اولادیں آتیں تماشا دیکھنے.....ابا نے ہلچل مچادی۔ آناً فاناً سب انتظام کیا اور شریکِ حیات کو آخری آرام گاہ پہنچا کر ہی دم لیا۔ وہی مہنگے ٹکٹ خرید کر اولادوں سمیت سلیم اور ثمینہ دونوں آئے.....لیکن کمرے میں بچھی چاندنی پہ خاندان اور پاس پڑوس کی عورتیں تھیں، سیپارے بھی تھے، ماں نہ تھی۔ ''انتظار نہیں کیا.....؟'' رونا دھونا، ڈرامے.....ابا کمرے میں بند ہوگئے۔ اسی کم صورت کم تر حقیر بے مایہ عفت نے نند کو گلے لگایا۔ اسی کے گلے لگ کر وہ مغرور ثمینہ دکھڑا روئی۔ سمیعہ کے چہرے پر البتہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ دکھ، نہ پچھتاوا نہ کچھ اور.....ثمینہ کا رونا بھی ڈراما ہی لگ رہا تھا اسے تو.....البتہ عفت.....اس کے دل کی کیفیت ہی اور تھی.....اس نے کئی سال اماں کی خدمت کی تھی۔ ظالم تھیں جو بھی تھیں اسے اماں سے محبت ہوگئی تھی۔ لگاؤ ہوگیا تھا پھر جیسے اس کی نظروں کے سامنے سگی اولادوں نے ماں سے منہ موڑا تھا تو ان سے ترحم و ہمدردی کا رشتہ بھی استوار ہوگیا تھا۔ وہ ان کی ایک، ایک کیفیت کو بن کہے سمجھنے لگی تھی۔ آخر وقت میں تو وہ ویسے بھی بے ضرر ہوگئی تھیں۔ دم خم کس بل نکل گئے تھے۔ انا البتہ مرتے دم تک قائم تھی۔ دل کا حال نہ کہتی تھیں۔ لیکن عفت سمجھتی تھی اور پھر ان کا وہ آخری دن..... اور وہ آخری جملہ.....عفت کو جب بھی یاد آتا وہ گم صم ہوجاتی..... وہ اپنی کیفیت سمجھ نہ پاتی کہ ان کی اس بات سے اس کے دل میں کیا تاثر ابھرا تھا۔ ان کی وفات کو دس دن گزر چکے تھے لیکن وہ اپنے دل کی کیفیت کو کوئی نام نہ دے پائی تھی۔ وہ دن پوری جزئیات کے ساتھ دن رات چوبیس گھنٹے اس کے دماغ کی اسکرین پر چلتا رہتا۔ اس کے دماغ سے نکلتا ہی نہیں تھا وہ دن..... جب.....

☆☆☆

وہ معمول کے مطابق اماں کو دوائیں دے کر اٹھی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے اماں کے سر میں تیل کی مالش کر کے چوٹی بنائی تھی۔ اب وہ سونے کے موڈ میں تھیں۔ اسی وقت نرس اپنے معمول کے راؤنڈ پر آئی۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہ نرس ان کا راؤنڈ لینے آرہی تھی لیکن اپنا کام کر کے چلی جاتی تھی۔ کبھی بولی نہ فالتو سوال جواب کیے تھے۔ البتہ جی جان سے خدمت میں جتی عفت کو گہری نظروں سے دیکھا کرتی تھی۔ اس روز جب وہ آئی تو حسبِ معمول اس قریب المرگ مریضہ کو صاف ستھری سنوری ہوئی حالت میں دیکھ کر شاید اس بار اس سے رہا نہیں گیا اور پوچھ بیٹھی۔

''اماں جی، یہ آپ کی بیٹی ہے؟'' عفت جھٹکا کھا کے مڑی۔

اماں کے چہرے کا رنگ یک دم پھیکا پڑ گیا۔ لمحہ بھر کو کمرے میں معنی خیز خاموشی پھیل گئی اور پھر اماں کی کمزور آواز ابھری اور عفت کو سن کر گئی۔

''ہے تو یہ میری بہو..... پر بیٹی سے بڑھ کر ہے۔''